جلد 02 شمارہ04، 2022
eISSN: 2707-6229
pISSN: 2707-6210

ڈاکٹر سمیرا شفیع
گورنمنٹ کالج فار ویمن، کارخانہ بازار، فیصل آباد
ڈاکٹر روبینہ یاسمین
گورنمنٹ کالج ویمن یونیورسٹی، فیصل آباد

Dr Sumaira Shahfee
Government College for Women, Karkhana Bazar, Faisalabad.
Dr Rubina Yasmeen
Government College for Women University, Faisalabad.

تحقیق میں التباس سے پیدا ہونے والے مسائل

PROBLEMS IN RESEARCH RAISING OUT OF ILLUSION

DOI: https://doi.org/10.56276/tasdiq.v4i02.101

ABSTRACT

Research plays an important role in our life. In research, speaking the truth is a difficult task but it is a requirement of research. The search for truth is called research. There are many difficulties in the way of research. But some problems are caused by convenience and haste and carelessness. Ambiguity (Iltibas) also arises as a result of this haste. Ambiguity (Iltibas) means doubting one thing over another. If there are two authors of the same name, the probability increases and the situation becomes like the author of a "Nairang-e-Khiyal". Identifying these errors make new ways for researchers.

KEYWORDS: Research, Haste, Difficulties, Doubt, Iltbas, Confusion, Carelessness, Ambiguity

Received: 22-Sep-22
Accepted: 28-Dec-22
Online: 30-Dec-22

سچ بولنا ، سچ کہا اور سچ کی تلاش کرنا ، انتہائی مشکل ہے۔ سچ کی تلاش و جستجو کا نام ہی تحقیق ہے۔ ہمارے سامنے جو کچھ بھی ہوتا ہے وہ سوفی صدسچ نہیں ہوتا اور یہ انسانی فطرت ہے کہ وہ سچ جاننے کے لیے بے چین رہتا ہے مضطرب رہتا ہے۔ تحقیق کی ابتدا اس بے چینی اور اضطراب کو دور کر کے اور حقائق کے متعلق شک پیدا ہونے پر ہے۔ تحقیق حقائق کی بازیافت کا عمل ہے جو اہل علم کو ان کی کوتاہیوں اور لغزشوں سے آگاہ کر کے ان کی اصلاح کے مواقع فراہم کرنے کا عمل ہے ۔ حقائق کی یہ بازیابی ان واقعات کی تلاش وجستجو سے عبارت ہے جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ماضی کا حصہ بنتے رہتے ہیں اور رفتہ رفتہ ہمارے دائرہ عمل سے باہر ہو جاتے ہیں۔ محقق کا کام در اصل تاریخ کی بھولی بسری

سچائیوں کو از سر نو منظم و مربوط کرنے کا ہے جس کے بغیر نہ ہم اپنے تہذیبی تشخص کا عرفان حاصل کر سکتے ہیں اور نہ ہی علوم وفنون کی نئی جہتوں سے آشنا ہو سکتے ہیں ۔

محقق کا کام اس اعتبار سے دیگر میدانوں میں کام کرنے والوں کی بہ نسبت زیادہ غور وفکر اور زیادہ دقتِ نظر کا طالب ہوتا ہے۔ محقق کا کام چوں کہ صرف اعلانِ حق ہوتا ہے اس لیے بنیادی طور پر اس کو سچائی اور بے نیازی کی صفات سے متصف ہونا ضروری ہے ۔ اس کا ذہن ہر قسم کے تحفظات اور برے تعصبات سے پاک ہونا چاہیے کیوں کہ ان صفات کے بغیر نہ وہ اپنی منفرد پہچان بنا سکتا ہے اور نہ اس کی کوششیں تحقیق کے میدان میں کسی قابل ذکر پیش رفت کا باعث بن سکتی ہیں۔ پروفیسر حنیف نقوی اس سلسلے میں رقم طراز ہیں:

> " خدائے بزرگان گرفتن خطاست" جیسے تصورات تحقیق کے ساتھ کوئی مطابقت نہیں رکھتے ۔ چنانچہ جولوگ تقلیدی ذہن رکھتے ہیں اور کسی بات کو محض اس لیے مان لینے میں تامل نہیں کرتے کہ وہ کسی معتبر اور ثقہ بزرگ کا قول یا کسی ماہر فن کی رائے ہے وہ صحیح سلامت اپنی منزل تک نہیں پہنچ سکتے۔ کم وبیش یہی کیفیت ان لوگوں کی بھی ہوتی ہے جو دوسروں پر سبقت لے جانے کے شوق میں ضرورت سے زیادہ تیزی اور سرگرمی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔"(۱)

تحقیق موضوع سے متعلق تمام ماخذ کا پورے غور وخوض کے ساتھ مطالعہ کرنے اور اس کے تمام پہلوؤں کا مکمل نظم و ضبط اور سبرو تحمل کے ساتھ جائزہ لینے اور اس طرح نتائج تک پہنچنے کے ایک باضابطہ نظام کا نام ہے اور یہ بات ایک مسلمہ حقیقت کی حیثیت رکھتی ہے کہ بعض اوقات معمولی سی بے ترتیبی یا تن آسانی اس پورے نظام کو بکھیر کر رکھ دیتی ہے۔ مختلف موضوعات پر کام کرنے والوں کے لیے وسائل اور معلومات کی کمی اور معلوم وسائل سے استفادے کی راہ میں حائل مشکلات تو ایک قدر مشترک کی حیثیت رکھتی ہیں مگر کچھ مشکلات ایسی بھی ہیں جو ہماری بے احتیاطی اور عجلت پسندی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں ۔ التباس بھی اسی جلد بازی اور عجلت پسندی کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔

لفظ التباس کالفظی مطلب نور اللغات میں یوں درج کیا گیا:

"شبہ پڑنا"

"شک پڑنا"(۲)

اردولغت میں تاریخی اصول پر اس لفظ کے معنی یوں بیان کیے گئے ہیں:

"ایک چیز پر دوسری کا شبہ یا دھوکہ ہونا ، ہم شکل ہونا۔"(۳)

تحقیق میں التباس سے بہت بڑی بڑی غلط فہمیاں جنم لیتی ہیں جو ہماری پرانی کتابوں کا حصہ ہیں ۔ التباس اس

وقت پیدا ہوتا ہے جب کسی ایک مصنف کا نام دوسرے منصف سے مماثلت رکھتا ہو اور وہ ایک ہی عہد میں کام کر رہے ہوں۔ مگرائی بھی مثالیں موجود ہیں کہ زمانے کا نمایاں فرق ہونے کے باوجود مصنفین کے ناموں اور کتابوں کے نام میں التباس پیدا ہو جاتا ہے۔ محقق کا یہ فرض ہے کہ وہ ایسی صورت حال پیدا نہ ہونے دے او راپنی تحقیق کو سرسری نہیں بلکہ درست، ماخذات کے ساتھ پیش کرے۔ خلیق انجم نے اپنی کتاب "متنی تنقید" میں مصنفین کے ناموں کی مماثلت میں اس موضوع پر یوں اظہارِ خیال کیا ہے:

"اگر ایک ہی نام کے دو مصنف ہوں تو اس کا امکان رہتا ہے کہ ایک مصنف کی کتاب دوسرے مصنف سے منسوب کر دی جائے۔ عام طور پر اس مصنف سے زیادہ منسوب کیا جاتا ہے جو نسبتاً زیادہ مشہور ہو فارسی اور اردو میں ایسے قدیم دواوین کی کمی نہیں جن میں شاعر کا پورا نام نہیں صرف تخلص ملتا ہے اور صرف تخلص زیادہ غلط فہمی کا باعث بن جاتا ہے ایسی توہزاروں مثالیں ملیں گی کہ ایک ہی تخلص کے دوسرے شاعروں کا کلام ایک دوسرے سے منسوب کر دیا گیا ہے۔ غالب نے اسد تخلص ترک ہی اس لیے کیا تھا کہ ان کے ایک ہم عصر شاعر اسد کی غزل ان سے منسوب کر دی گئی تھی۔۔۔۔۔۔۔۔۔ یہ تو ایک آدھ شعر یا غزل کی بات ہے۔ ایسی مثالیں بھی موجود ہیں جن میں پوری تصنیف کسی اور ہم نام مصنف سے منسوب ہو گئی مثلاً مطبع نول کشور سے دیوان خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کئی بار چھپ چکا ہے ان کی وفات کے تقریباً پانچ سو سال بعد تک کوئی تذکرہ نگاران کے شاعر ہونے کا ذکر نہیں کرتا۔ بارہویں صدی ہجری کے نصف آخر اور اس کے بعد جو تذکرے لکھے جاتے ہیں ان میں خواجہ صاحب کے شاعر ہونے کا ذکر ملنے لگتا ہے اور کچھ کلام نقل ہوتا ہے محمود اشیرانی صاحب نے مدلل طریقے سے یہ ثابت کیا ہے کہ دیوان خواجہ معین الدین اجمیری کا ہرگز نہیں ہے اس کے مصنف مولانا معین الدین بن مولانا شرف الدین حاجی محمد انفراہی ہو سکتے ہیں جن کا زمانۂ حیات نویں صدی ہجری کا آخر اور دسویں صدی ہجری کا آغاز ہے۔"[۴]

تحقیق میں غلط بیانیاں جن راستوں سے داخل ہوتی ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ تباہ کن راستہ ثانوی ذرائع پر انحصار ہے یہ بنیادی طور پر تن آسانی کا نتیجہ ہوتا ہے جو محقق کو محنت شاقہ اور جگر کاری سے بچا کر حصول مقاصد کے آسان اور سستے ذرائع کی طرف مائل کرتی ہے۔ اس طرح وقت طور پر کسی محدود دائرے میں تھوڑی بہت کامیابی توضرور حاصل کی جاسکتی ہے لیکن کوئی مستقل اور پائیدار نقش قائم کیا جاسکتا۔ اس طرح سے جو گمراہیاں پیدا ہوتی ہیں وہ بعض اوقات لامتناہی طور پر دراز ہوتی چلی جاتی ہیں۔ اردو میں اس قسم کی کافی مثالیں ملتی ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بہت سی کتابیں ان شخصیات سے منسوب کر دی گئیں جو اس کے مصنف نہیں تھے۔ خاص طور پر جدید تحقیق نے یہ ثابت کیا ہے کہ ابتدائی چشتی بزرگوں کے نام جو کتابیں منسوب کی گئی ہیں وہ جعلی ہیں جن میں خواجہ معین الدین چشتی، بختیار کا کی اور خواجہ نظام الدین جیسے نامی بزرگ شامل ہیں۔ صرف اردو ادب میں نہیں بلکہ دنیا میں اور بھی بہت ہی زبانوں میں ایسی مثالیں مل جاتی ہیں جن میں جان بوجھ کر یا پھر غلطی سے التباس پیدا ہو گیا۔ پروفیسر گیان چند نے لکھا ہے کہ:

''ناشرین بھی سہواً کبھی قصداً کتاب کے نام یا مصنف کے بارے میں التباس پیدا کر دیتے ہیں۔ اٹھارہویں صدی میں انگریزی میں ایک انوکھی صورت حال تھی۔ رسالوں اور اخباروں کے ناشرین جگہ بھرنے کے لیے کوئی نظم چھاپ دیتے اور اس پر مصنف کی حیثیت سے کوئی بڑا نام لکھ دیتے۔ یہ اسی قسم کی جعل سازی ہے جیسے ہمارے یہاں دیسی مال پر ''یو ایس اے میں بنا ہوا'' لکھ دیا جاتا ہے۔ ناشرین بڑے ناموں سے بہت سے تجارتی فائدے اٹھاتے ہیں اردو میں محمد غوث زریں کے چار درویش کو ناشرین نے نوطرز مرصع کے نام سے موسوم کر دیا حالانکہ یہ اسی قصے کی تحسین کی کتاب کا نام تھا۔ تذکروں کے ناموں میں تذکرہ ہندی، شعرائے ہندی، طبقات الشعراء طبقات شعرائے ہند، مجمع الانتخاب، مجموعۂ الانتخاب وغیرہ سے کافی التباس ہوتا ہے، کچھ دیکھ کر صحیح صحیح نام لکھنا چاہیے۔''(۵)

تحقیق کے اس کثیر الجہات عمل میں جو چیز سب سے زیادہ ضروری اور اہم ہے وہ مسلمات کی جانچ پرکھ ہے اس لیے کہ صحیح نتائج تک پہنچنے میں اکثر یہ مسلمات ہی سب سے بڑی رکاوٹ بنتے ہیں۔ ایک عام محقق بالعموم مسلمات سے آگے بڑھ کر اپنی بات شروع کرتا ہے اکثر حالتوں میں اسے یہ اندازہ نہیں ہوتا کہ وہ جس بنیاد پر اپنی عمارت تعمیر کر رہا ہے۔ وہ مستحکم نہیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اصل حقیقت حجاب اندر حجاب روپوش ہو جاتی ہے اور غلط تاویلات و تعبیرات کے فروغ کی راہیں کھلتی جاتی ہیں۔ ایک مثال سے اس کا اندازہ کیا جاسکتا ہے:

نومبر ۲۰۰۳ء میں جناب مقبول احمد شاکر صاحب کی کتاب "نیرنگ اقبال" (مشاہیر کے قلم سے اقبال کی لفظی تصاویر) کے نام سے ''سلطان باہو پرنٹنگ پریس جھنگ'' سے شائع ہوئی۔ یہ کتاب بنیادی طور پر اقبال پر لکھے ۱۲ خاکوں پر مشتمل ہے جس کو تحقیق وترتیب کے بعد شائع کیا گیا ہے۔ یہ کتاب ۱۴۲ صفحات پر مشتمل ہے۔

سب سے پہلے ڈاکٹر روبینہ ترین صاحبہ صدر شعبۂ اردو بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان کا کتاب کے متعلق لکھے گئے کلمات کو تعارف کے عنوان سے شامل کیا گیا ہے جس میں انھوں نے خاکہ نگاری کا مختصر سا تعارف کروایا ہے اور ڈاکٹر سلیم اختر کا جملہ ''خاکہ نگاری میں ایجاز کا اعجاز دکھانا ہوتا ہے'' سے اپنی بات کا آغاز کیا ہے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ:

''خاکہ نگار کا فرض منصبی ہے کہ وہ خصوص سے ایسے اوصاف گنوائے جس سے عام جاننے والے بخوبی آگاہ نہ ہوں اور کہا کہ اقبال سے متعلق لکھے گئے اہم شخصیات کے تحریر کردہ خاکے اہم اور نادر معلومات کا خزانہ ہیں۔ ان خاکوں میں حکیم الامت کی شخصیت خشک فلاسفر کی نہیں بلکہ خوش مزاج حکیم کی نظر آتی ہے آخر میں وہ کتاب کے مصنف کے لیے دعا گو ہیں کہ اللہ ان کے شوق تحقیق کو اور بڑھائے۔''

اسی طرح پروفیسر ڈاکٹر غلام شبیر رانا، صدر شعبۂ اردو، گورنمنٹ کالج، جھنگ کا کتاب پر لکھا گیا تعارفی تبصرہ شائع کیا گیا ہے۔ انھوں نے بھی خاکہ نگاری کی تاریخ پر بات کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اردو میں آبِ حیات سے پہلے خاکہ نگاری کا کوئی قابل ذکر نمونہ نظر

نہیں آتا۔ مگر فرحت اللہ بیگ نے مزاح کی چاشنی سے خاکہ نگاری کے فن کو پروان چڑھایا جس سے اس فن کی مقبولیت میں اضافہ ہوا۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

"خاکہ نگاری کے لیے ضروری ہے کہ تحقیق کار شخصیت کو ہر قسم کے تصنع سے الگ رکھے۔ مقبول احمد شاکر خاکہ نگاری کے ارتقا پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ اقبال پر لکھے گئے خاکوں کو تلاش کرنا اور پھر کتابی صورت میں شائع کرنا بلاشبہ اردو ادب کی بہت بڑی خدمت ہے اور لکھا ہے کہ پروفیسر مقبول احمد شاکر نے اردو تحقیق کے معیار کو جو وقار عطا کیا ہے وہ لائق تحسین ہے۔"

پیش لفظ میں مصنف نے اس کتاب کے لکھنے کی وجوہ بیان کرتے ہوئے کہا کہ مختلف مشاہیر کے قلم سے بنائی گئی لفظی تصاویر کے ذریعے شخصیتِ اقبال کی بہتر تفہیم ہو سکے گی اور پھر مختصر الفاظ میں کتاب میں شامل ۱۲ خاکوں کا تعارف کروایا ہے مگر جو بات مصنف کی تحقیقی نگاہ سے پوشیدہ رہی اور التباس کا باعث بنہ ہے وہ یہ ہے کہ پانچویں نمبر پر شامل کیا گیا خاکہ جس کا عنوان ہے "ڈاکٹر محمد اقبال" اسے بابائے اردو مولوی عبدالحق نے تحریر کیا ہے اور ان کی کتاب "چند ہم عصر" سے لیا گیا ہے۔ دراصل علامہ اقبال پر نہیں لکھا گیا بلکہ یہ ڈاکٹر محمد اقبال ایم اے پی ایچ ڈی فارسی جو پنجاب یونیورسٹی میں فارسی کے پروفیسر رہے ان کی شخصیت پر لکھا گیا ہے لیکن مصنف نے صرف نام دیکھا اور بغیر تحقیق کے اسے اپنی کتاب میں شامل کر دیا۔

ڈاکٹر شیخ محمد اقبال کون تھے؟ اس خاکے سے یہ حقیقت تو سامنے آتی ہے کہ مولوی عبدالحق کے ہم عصر تھے۔ اس بنا پر مولوی صاحب نے ان کا خاکہ تحریر کیا، ان کا تعارف پروفیسر ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار نے صد سالہ تاریخ جامعہ پنجاب میں یوں کرایا ہے:

"یونیورسٹی پروفیسر ڈاکٹر شیخ محمد اقبال، پروفیسر فارسی، ۱۹۲۳، وفات ۱۹۴۸"

اور اسی کتاب میں ایک دوسری جگہ انھوں نے ان الفاظ میں بتایا ہے کہ:

"ڈاکٹر شیخ محمد اقبال اپنے دور کی ایک معروف شخصیت تھے۔ فارسی کے پروفیسر ہونے کے علاوہ وہ ادارہ دائرہ معارف اسلامیہ سے بھی وابستہ رہے جس کا ذکر مقبول احمد شاکر نے پیش لفظ میں بھی کیا، جو کچھ یوں ہے کہ:

"بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق نے "چند ہم عصر" میں ڈاکٹر محمد اقبال کے نام سے خاکہ شامل کیا، مولوی صاحب اقبال کے مداح تھے، باہمی ملاقاتیں رہیں، خط و کتابت کا سلسلہ موجود رہا۔ ان کو لکھے گئے آٹھ مکتوبات میں سے سات "اقبال نامہ" میں اور ایک "انوار اقبال" میں شائع ہو چکا ہے۔ گویا باہمی ربط موجود تھا۔ بنابریں عبدالحق جیسے قدر آور ادیب سے اقبال پر مختصر خاکے کی امید ہرگز نہیں تھی۔ خاکے کا ایک تہائی ادارہ معارف اسلامیہ کے ذکر بے جا میں صرف ہوا ہے۔ باقی حصے میں اقبال کی علم دوستی اور ان کے اعلیٰ ذوقِ شعر کا ذکر ہے۔"(۸)

اس اقتباس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مصنف نے صرف مولوی عبدالحق کے خاکے کا سرسری مطالعہ کیا ہے ورنہ جب وہ اس کے مختصر ہونے پر تنقید فرما رہے تھے۔ یہ بات ضرور ان کے ذہن میں آتی کہ علامہ اقبال کا ادارہ دائرہ معارف اسلامیہ سے کوئی تعلق نہ تھا

نہ ہی کسی جگہ علامہ اقبال کے اس ادارے سے وابستہ ہونے کے ثبوت ملتے ہیں۔ ویسے تو اقبال کے حالات زندگی ان کے کلام اور تصنیفات پر اس قدر لکھا گیا ہے کہ ہر پاکستانی ان کے بارے میں بنیادی علم رکھتا ہے مگر پھر بھی یہ مضمون پڑھ کر بہت سے طالب علم غلط فہمی کا شکار ہو سکتے ہیں۔ علامہ اقبال تو اپریل ۱۹۳۸ء میں وفات پا گئے مگر اس خاکے کے اقتباسات تو اس اہم حقیقت کی نفی کرتے ہیں کیوں کہ یہاں جو سنین درج ہیں وہ ۱۹۴۶۔ ۱۹۴۷ء کے واقعات پر مبنی ہیں۔ ایک اقتباس ملاحظہ ہو جس میں ادارہ معارف اسلامیہ کے کام کے حوالے سے بات کی گئی ہے:

"۱۹۳۰ء کے بعد اس کا کام ست پڑ گیا تو میں نے ڈاکٹر صاحب سے پوچھا کہ آپ ادارہ معارف کے جلسے اب کیوں نہیں ہوتے کہنے لگے اسے اب کوئی دعوت نہیں دیتا۔ ایک ادھ جگہ سے دعوت آئی مگر وہ ملتوی ہو گئی، اتنا سرمایہ اس کے پاس نہیں کہ وہ خود انتظام کر سکے، میں نے کہا آپ دہلی میں جلسہ کیجئے۔ میں سب انتظام کر دوں گا، ہمیں اس کے لیے کسی کی محتاجی نہ ہو گی انجمن کا مکان بہت بڑا ہے اور اس کا صحن بہت وسیع ہے وہیں اس کا جلسہ ہو جائے گا۔ مصارف کے لیے بھی رقم فراہم ہو جائے گی، بہت خوش ہوئے اور اسی وقت دہلی میں ۱۹۴۷ء کے اجلاس کی سوچنے لگے لیکن ۱۹۴۶ء ایسا نکلا کہ کسی کے ہوش و حواس بجا نہ رہے اور دہلی ہمیشہ کے لیے چھوٹ گئی۔"[۹]

اس اقتباس کے علاوہ بھی سارا خاکہ ہی ڈاکٹر محمد اقبال اور علامہ اقبال کی شخصیات کے فرق کو واضح کرتا ہے۔ بشر طیکہ اس کا مطالعہ کیا جائے۔ مولوی عبد الحق نے اس خاکے کا خاتمہ جن نیک تمناؤں اور دعائیہ الفاظ پر کیا ہے وہ ڈاکٹر شیخ محمد اقبال اور علامہ اقبال کی شخصیات میں التباس کا پردہ چاک کرتے ہیں:

"ایسے بلند نظر، شریف النفس، بے تعصب نیک خیال شخص بہت کم دیکھنے میں آتے ہیں، ہمیں پاکستان کو کامیاب بنانے کے لیے ایسے بہت سے اشخاص کی ضرورت ہے خدا کرے پاکستان کی قومی تعمیر میں ایسے مبارک ہاتھوں سے کام لیا جائے۔"[۱۰]

یہ بات تو ہر شخص جانتا ہے کہ علامہ اقبال کو تصور پاکستان کا خالق کا کہا جاتا ہے اور وہ پاکستان کے معرضِ وجود میں آنے سے ۹ سال قبل وفات پا گئے تو مولوی عبد الحق ان کے ہاتھوں سے پاکستان کی تعمیر کی بات کیسے کر سکتے تھے۔ مولوی عبد الحق ڈاکٹر محمد اقبال جو فارسی کے پروفیسر تھے کا خاکہ لکھ رہے تھے اس خاکے میں انھوں نے ڈاکٹر محمد اقبال کی نیک اور سعادت مند اولاد کو ان کی خوش قسمتی قرار دیا۔ ان کے بیٹے داؤد رہبر ادبی حلقوں میں اپنی شناخت بنا چکے ہیں۔ انھوں نے اپنی کتاب "براگندہ طبع لوگ" میں اپنے والد ڈاکٹر محمد اقبال کا تذکرہ اس طرح سے کیا ہے کہ:

"والد مرحوم کے محبوب شاعر اکبر الہٰ آبادی اور مولانا حالی تھے اور محبوب نثر نگار مولوی نذیر احمد، مسدس ان کو پوری ازبر تھی، اکبر کا بہت سا کلام حفظ یاد تھا، وہ فارسی کے پروفیسر تھے، حافظہ بہت قوی پایا تھا، اسی لیے فارسی کے اساتذہ کے بے شمار اشعار بھی ان کے حافظہ میں جمع ہو گئے تھے۔"[۱۱]

مولوی عبدالحق کے خاکے میں بھی پروفیسر شیخ محمد اقبال کی شخصیت کے بہت سے پہلو سامنے آتے ہیں کہ انھیں فارسی پر مکمل عبور تھا اور وہ بغیر کسی رکاوٹ کے فارسی بولتے تھے۔ انھوں نے کیمبرج میں دو سال پر فیسر براؤن کے ساتھ کام کیا اور اسی زمانہ میں "سلجوق نامہ ابن بی بی" ایڈٹ کیا اردو کے عاشق تھے وہ سمجھتے تھے کہ اگر اردو نہ رہی تو ہماری قومیت رخصت ہو جائے گی اور پاکستان بھی نہیں رہے گا اور اورینٹل کالج میگزین کی ترتیب میں بھی ان کا بڑا حصہ تھا ان کے زمانے میں یہ میگزین بڑے عروج پر تھا، خود لکھتے، دوسروں سے اس میگزین کے لیے مضمون لکھواتے جس سے اس کا علمی پایہ بہت بلند ہو گیا تھا۔ ان کی شخصیت کا ہی نمایاں پہلو ہے۔ ڈاکٹر زاہد منیر عامر کی تصنیف تاریخ "جامعہ پنجاب" میں ان کا ذکر دیگر اہم اساتذۂ فارسی کے ساتھ کیا گیا ہے:

> "شعبہ فاری اورینٹل کالج کے قدیم اور بنیادی شعبوں میں سے ہے اور ۱۸۷۰ءہی سے فارسی زبان وادب کی تدریس و تحقیق میں مصروفِ عمل ہے۔ اس شعبے میں آغاز سے لے کر اب تک مختلف اوقات میں معروف اساتذہ اور محققین نے خدمات انجام دی ہیں۔ مثلاً مولانا عملدار حسین، شمس العلماء مولانا عبدالحکیم کلانوری، مولوی محمد الدین (علامہ اقبال کے استاد مولوی محمد الدین مختار)، مولانا محمد حسین آزاد، مولوی غلام مصطفیٰ...........ڈاکٹر شیخ محمد اقبال۔"(۱۲)

ان تمام اقتباسات سے معلوم ہوتا ہے کہ پروفیسر محمد اقبال بھی اپنے دور کی ایک اہم شخصیت کے طور پر اپنی منفرد پہچان رکھتے تھے ان کی دلچسپیاں، مشاغل اور طبیعت کے بارے میں مولوی محمد عبدالحق نے خاکے میں نہایت شائستہ الفاظ میں ذکر کیا ہے جس سے دونوں اقبال میں پایا جانے والا التباس ختم ہو جاتا ہے۔ لیکن "نیرنگ اقبال" میں اس خاکے کی شمولیت سے اس بات کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ ہمارے ہاں کہیں کہیں تحقیق و ترتیب میں اصول و قوانین کے بنیادی اصولوں کی پیروی کرنے کو ضروری نہیں سمجھا جاتا ہے جعل و سرقے کے علاوہ اس طرح کی بے احتیاطی سے بھی التباس اور مغالطے کا مضبوط جال بن جاتا ہے لہذا تحقیق کرتے ہوئے اور کتاب شائع کروانے سے قبل مواد و ماخذات کا مکمل جائزہ نہایت حزم و احتیاط سے لینا چاہئے۔ کتاب یا مقالے کی بنیادی اندراجات کے سلسلے میں تسلی بخش تحقیق کی جائے ورنہ صورتحال "نیرنگ اقبال" کی طرح سے سامنے آتی ہے۔ لیکن تمام تر تحقیق میں احتیاط کے باوجود بھی غلطیاں سرزد ہو سکتی ہیں۔ اصل یہ بات ہے کہ ان غلطیوں میں بددیانتی تعصب یا جانب داری کا شائبہ نہیں ہونا چاہئے۔ ان غلطیوں سے اختلاف بھی مزید تحقیق کے در کھولتا ہے۔

حوالہ جات

1. حنیف نقوی، پروفیسر، "مبادیاتِ تحقیق"، مشمولہ: پروفیسر ابنِ کنول، مرتبہ: تحقیق و تدوین، دہلی: کتابی دنیا، ۲۰۰۶، ص ۱۳
2. نورالحسن نیر، مولوی: "نوراللغات"، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۸۹، ص ۳۴۶
3. "اردو لغت تاریخی اصول پر"، کراچی: ترقی اردو بورڈ، ۱۹۷۷، ص ۳۶۷
4. خلیق انجم، "متنی تنقید"، لاہور: سنگت پبلشرز، ۲۰۰۴، ص ۴۷

5. گیان چند جین، ڈاکٹر، تحقیق کا فن، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۳، ص۱۹۷

6. غلام حسین ذوالفقار، ڈاکٹر، صد سالہ تاریخ پنجاب، لاہور: جامعہ پنجاب، ۱۹۸۲، ص۵۰۲

7. ایضاً، ص۱۴۷

8. شاکر مقبول احمد، "نیرنگِ اقبال"، جھنگ: سلطان باہو پرنٹنگ پریس، ۲۰۰۳، ص۹

9. ایضاً، ص۶۳

10. ایضاً، ص۴۷

11. داؤد رہبر، پراگندہ طبع لوگ، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۰، ص۲۴۷

12. زاہد منیر عامر، ڈاکٹر، تاریخ جامعہ پنجاب، لاہور: پنجاب یونیورسٹی، ۲۰۰۴، ص۳۶۴

13. غلام حسین ذوالفقار، ڈاکٹر، صد سالہ تاریخ پنجاب، ص۲۱۶